عصری علمِ کلام

مولانا یعقوب الرحمٰن صاحب عثمانی لکچرار دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

بہ سلسلہ (۲) اگست ۴۴ء

علمِ کلام کی اساس قرآن حکیم کی روشنی میں | قرآنی روشنی میں علم کلام کی اساس معلوم کرنے کے لئے آپ ذیل کی آیات کے مضامین پر بھی غور فرمائیں۔

(۱) افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللّٰہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون ۰ یہ سورہ بقر کے ابتدائی حصہ کی آیت ہے۔ اس آیت میں براہِ راست جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے توسط سے مسلمانوں کو خطاب ہے۔ اس کے مطلب کا خلاصہ یہ ہے۔

"اگر تمہاری تبلیغِ حق اور مخلصانہ جدوجہد کے بعد بھی یہود ایمان نہیں لائے تو تمہیں دلگیر اور رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہودیوں سے اس قسم کا عمل توقع کے مطابق ہے خلافِ توقع نہیں ہے کہ ان میں سے ایک ایسی بھی جماعت تھی جو خدا کے کلام (توراۃ) کو سنتی اور خوب سمجھ لینے کے بعد (من بعد ما عقلوہ) بھی کہ خدا کے کلام میں فلاں لفظ یوں ہی ہے اور اس خدا کی مراد یہ ہی ہے اور ہوسکتی ہے۔ تحریفِ لفظی و معنوی کی بے باکی کے ساتھ مرتکب ہوئی۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ (وھم یعلمون) اس طرف مشیر ہے کہ حضورؐ کے زمانے کے یہود اس حادثے اور واقعے سے خوب واقف تھے۔ یہاں مُشیر کا لفظ ہم نے قصداً تحریر کیا ہے کیونکہ مفسرین کرام نے من بعد ما عقلوہ کے بعد وھم یعلمون کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ بہرحال اس قدر تو بالاتفاق ثابت ہے کہ اس تحریف کے حادثے یا واقعے کو علماء یہود کے ہاں رازمیں رکھنے کی

شدید ترین تاکید تھی اور یہ واقعہ علمار سورِ یہود کے ہاں مسلسل اور شدت کے ساتھ راز میں رہا۔ حتی کہ خود قرآنِ کریم نے اس راز کو اس طرح فاش کر دیا کہ تمام یہود حیرت میں رہ گئے۔ اگر ان میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی تو ان کے ایمان کے لئے یہ واقعہ کافی تھا۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ کھلی نشانیوں کے بعد بھی یہ ایمان نہ لائے تو مومنین پر یہ واضح ہو گیا کہ یہ علمار یہود کی جماعت متلاشیانِ حق کی جماعت نہیں بلکہ معاندین کی جماعت ہے ایسے معاندین اور اشرار اگر ایمان نہ لائیں تو کوئی خلافِ توقع اور عجیب بات نہیں بلکہ توقع کے عین مطابق ہے اب اور ایسے حالات میں رب العالمین کا مسلمانوں سے خطاب ہوتا ہے۔

تمہارا جی کھنچتا ہے کہ کاش یہ ایمان لے آئیں کہ یہ اہلِ کتاب ہیں حریم مذہب سے ناآشنا کوثرِ توحید سے بے خبر نہیں اور جب ہماری طرف سے تبلیغِ حق میں کوتاہی نہیں۔ پھر کیا سبب ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے؟ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ خیال جو تمہیں رنجیدہ اور دلگیر کر رہا ہے ایسا نہ ہونا چاہیئے گویا خداوند تعالیٰ تسلی اور تشفی دے رہے ہیں "

اس مختصر تشریح کے بعد غور کیجئے کہ کلام اللہ کے بعد من بعدِ ما عقلوہ سے واضح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے کلام اور اس کے مفہوم کو عقل سے سمجھنا عین تعلیمِ الٰہی ہے خود عقل کا لفظ موجود ہے اس سے واضح تر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ علی بن احمد مہائمی ان یومنوا کے تحت فرماتے ہیں ای بدلائلکم (تمہارے دلائل کی وجہ سے)" یہ ہی وجہ ہے کہ علمار قرآن نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مذکورہ بالا یہودیوں کی جماعت علمار کی جماعت تھی نہ کہ عوام کی۔

(۲) علاوہ ازیں علامہ مہائمی اپنی بے نظیر تفسیر میں لا اکراہ فی الدین کے تحت لکھتے ہیں (لا اکراہ) علی العقول فی التزامہا بل (فی جمیع ھٰذا الدین) لانہا منقادۃ بدلائل۔

دین میں زبردستی نہیں، کا مطلب یہ ہے کہ دینِ اسلام کے بارے میں عقولِ انسانی پر جبر نہیں کیونکہ عقول دلائل سے مطیع ہوتی ہیں نہ کہ جبر سے۔

(۳) تفسیر بیضاوی سورہ یونس علیہ السلام آیت ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً[1] کے تحت ہے کہ

فیہ دلیل علی ان تحصیل العلوم فی الاصول واجب۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ علوم اصول (علم کلام) کا حاصل کرنا واجب ہے۔ (مفتیۃ الراغب ص ۹۰ مطبوعہ مصر)

اساسِ مذہب تاریخِ انسانیت کی روشنی میں

مذہب کا بنیادی اصول یہ ایک قابلِ غور امر ہے کہ مذہب کے اس شجرۂ طیبہ کی بنیاد کس چیز پر ہے جس کی لاتعداد شاخیں اور پتے پھیلے ہوئے ہیں اور جس کی تفصیلات کو بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی نہیں سمو سکتیں۔ مورخِ اسلام شبلی لکھتے ہیں۔

اس قوت کا نام نورِ ایمان۔ کانشنس۔ حاسۂ اخلاقی ہے اور یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے۔ (الکلام حصہ دوم ص ۱۸)

ذرا اور وضاحت سے کہا جاسکتا ہے کہ مذہب کا بنیادی خدا کا یقین یا ما فوق الفطرت ہستی کا اعتقاد ہے یعنی ایک ایسی ہستی کا اعتقاد جو تمام سے بالاتر ہو۔ پروفیسر نواب علی لکھتے ہیں۔

مذہب کی بنیاد تصور ذات پر ہے ایسی ذات جس سے کائنات ایک زبردست اور راہ پر لگانے والے اور منتظم کی محکوم معلوم ہوتی ہے۔

انسانی فطرت اور مذہبی سوالات خداوند تعالیٰ نے انسان کو ذہن و دماغ عقل و شعور عطا فرمایا ہے چنانچہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو غور و فکر کے اس سرمایے کو ساتھ لاتا ہے وہ اپنی عمر کی ہر منزل میں اپنی بساط کے مطابق سوچتا ہے غور کرتا رہتا ہے۔ جب وہ عمر کے بڑے حصے کو پہنچ جاتا ہے اور اس کے قوائے علمی و فطری مکمل ہو جاتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے غور و فکر کا دائرہ بھی وسیع اور مستقل ہو جاتا ہے اب

---

[1] ہماری رائے میں ان آیتوں کا ذکر اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ علمِ کلام کی اساس نہایت واضح طور سے قرآنی آیتوں میں ملتی ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ اس کے اردگرد زندگی کا سمندر موجیں مار رہا ہے کائنات کے بحرِ ذخار کی سطح پر لاکھوں چیزیں ابھرتی ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد اپنی اپنی بہار دکھا کر روپوش ہو جاتی ہیں۔ نیز بقا اور زندگی کے سامان قدرت ہر آن مہیا کر رہی ہے۔ چاند، سورج، ہوا، پانی زندگی کے دریا بہا رہے ہیں۔

(۱) آخر یہ پوری کائنات ہے کیا؟

(۲) کہاں سے آئی ہے؟

(۳) اس کا نظام کس کے ہاتھ میں ہے؟

(۴) عالم کا سرچشمہ کیا ہے؟

(۵) زندگی و حیات کا سمندر کہاں سے نکلا ہے؟

پھر وہ خود اپنے وجود کو سوچتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ موت مجھے کہاں لے جاتی ہے؟

پروفیسر رڈالف آٹو جو عہدِ حاضر کے نہ صرف بہت بڑے مفکر ہی ہیں بلکہ ارباب سائنس میں ان کا بہت بڑا درجہ ہے فرماتے ہیں۔

> جب ہم اپنی دنیا میں بعض چیزوں پر غور کرتے ہیں۔ مثلاً تاروں بھرے آسمان پر، زندگی سے لبریز سمندر پر، زندگی اور حیات کی ترقی اور تنظیم پر، اور اس کے بعد ہم حیات و تنظیم کی تشریح سائنس کی روشنی میں، واضح اور صاف طریقے پر کرنا چاہیں تو ہمارے دماغ میں کسی "قدوس ہستی" کا احساس تازہ ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر ہمارے دماغ میں حیرت ماورائیت (Beyandens s.) اور الوہیت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔

غرض مذکورہ بالا قسم کے سوالات ابتداءِ عالم سے اسوقت تک انسانی دل و دماغ کو بیچین کرتے رہے ہیں یہ سوالات کبھی انسانی دماغ سے محو نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں دنیا علوم و فنون کے لحاظ سے خواہ کسی منزل پر پہنچ جائے لیکن فطرت کی یہ بے چینیاں اور انسانیت کا یہ مطالبہ ہمیشہ باقی رہے گا اور ہے۔ فطرتِ انسانی کے یہ ہی مطالبات اور انسانی ذہن و دماغ کی یہ ہی بے چینیاں درحقیقت مذہب کی اساس و بنیاد کی تعیین کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ مذہب کا جذبہ انسانی فطرت میں موجود ہے۔

مذہب انسانیت کو لازم رہا ہے تاریخ انسانیت بتاتی ہے کہ جب سے حضرتِ انسان کائنات کے دسترخوان پر بقیدِ حیات مدعو ہوئے ہیں اس وقت سے اس وقت تک ہر دور اور ہر زمانے میں ایک مافوق الفطرت ہستی کا اعتقاد پایا گیا ہے. دورِ وحشت یا دورِ تہذیب علم کا زمانہ ہو یا جہالت کا، عہدِ تاریخ ہو یا ماقبل تاریخ ہر زمانے میں انسانی جماعت نے ایک عظیم ترین قوت اور مافوق الفطرت ہستی کے اعتقاد کے ساتھ عاجزی اور عبادت کے اعمال وافعال ادا کئے ہیں. ہماری مراد اس باب میں یہی ہے وہ تشریحی احکام نہیں جن کا مجموعہ مذہب یا مذہبیات کہلاتا ہے۔

پلوٹارک کہتا ہے۔

"تم کو بہت سے ایسے مقامات ملیں گے جہاں نہ قلعے نہ سیاست نہ علم نہ صنعت نہ فرقہ، نہ دولت لیکن ایسی کوئی جگہ نہ ملیگی جہاں خدا نہ ہو"

مکس مولر کہتا ہے۔

"تمہارے اسلاف نے خدا کے آگے اس وقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے. جسمانی خدا یعنی بت اسی حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوئے کہ فطرت اصلی مثالی صورت کے پردے میں چھپ گئی"

فرنچ فلسفی گسلر کہتا ہے۔

"مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس سوال کا جواب ہے وہ کسی زمانے میں بھی معدوم نہیں ہو سکتا"

رینان لکھتا ہے۔

"یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیاء جن کو ہم محبوب رکھتے ہیں اور کل وہ چیزیں جو لذائذِ زندگی میں محسوب ہیں مٹ جائیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہو جائے یا اس کی قوت میں زوال آجائے"

ان وجوہات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا وجود اور اس کا تصور انسانیت کے لئے لازم ہے

اوراس کا وجود بالکل فطری اور نیچرل ہے۔ مذہب انسانیت کے خمیر میں پایا جاتا ہے نہ کہ انسانی احتیاج اور فلسفیانہ دلائل کی وجہ سے مذہب پیدا ہوا ہے۔ عقل، دلائل اور انسانی احتیاج ممکن ہے کہ اس فطری چیز کے سمجھانے اور معقول و مفید بنانے میں معین و مددگار رہوں لیکن بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مذہب ان کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ

مذہب کی تعریف | مذہب انسانی فطرت کا ایک لطیف اشارہ اور سادہ اقتضا رہے جو انسانیت سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ اقتضا روحی الٰہی اور عقل سے تربیت پاکر انسان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

جب مذہب فطری ہے تو اختلافِ مذہب کیوں؟ | اقوام و ملل میں خدا کی ذات و صفات کے متعلق مختلف بیانات یا عبادت کے طریقوں کا اختلاف جذبۂ مذہب کے مختلف ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس اقتضارِ فطری کو عقل و وحی کی روشنی میں صحیح طور سے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے گویا یہ اختلافات بالاتر ہستی کے صحیح عرفان یا غلط پہچان کے مظہر ہیں۔ بہر حال غور کریں تو صاف معلوم ہو جائے کہ مذہب و انسانیت میں ایک گہرا نہ ٹوٹنے والا تعلق ہے کیونکہ جسقدر فطری چیزیں ہوتی ہیں گو مختلف زمانوں میں ان کا ظہور مختلف طریقوں سے ہو لیکن کبھی اور کسی زمانے میں وہ انسان سے جدا نہیں ہو سکتیں۔

اختلافِ مذاہب کی دوسری وجہ | ایک مافوق الفطرت ہستی اور اس کی عبادت کی طرف میلان فطری ہے جیسا کہ تاریخِ انسانیت سے ثابت ہو چکا ہے لیکن اس سوال کا جواب کہ فطری جذبہ میں اسقدر اختلاف کیوں ہے۔ آپ ان حقائق پر غور کرنے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اوّل بھوک سب کو لگتی ہے لیکن سب لوگ ایک ہی چیز یا غذا سے اس فطری جذبے کو تسکین نہیں دیتے بلکہ اپنے اپنے مقامات کی خصوصیات اور ملک کی پیداوار اور آب و ہوا کے لحاظ سے غذا تجویز کی جاتی ہے۔ شیرخوار بچے کی غذا اور چلنے پھرنے والے بچے کی غذا میں فرق ہوتا ہے۔ جوانی میں جو غذا انسان بے تکلف استعمال کرتا ہے بڑھاپے میں استعمال نہیں کر سکتا۔

تیسری وجہ | انسانیت نے اپنے قوائے فطری کی تکمیل ارتقائی منازل کے ذریعہ طے کی ہے۔ شروع کے

انسانوں کو جس طریقۂ افہام وتفہیم یا فطری جذبۂ مذہب کی تسکین کے لئے جس طریقۂ تعلیم وتمثیل کی ضرورت اور جس روحانی غذا کی حاجت تھی انسانی ارتقائی منازل میں لازمی طور سے اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے قدیم ترین مذاہب کے اصول میں اشتراک کے ساتھ ساتھ اس کی تفصیل وتفہیم میں فرق بھی ضروری ہے۔ پیغمبرانِ کرام اس ارتقائی مدارجِ انسانی کی روحانی کڑیاں ہیں۔ ان کی تعلیم اس کا مظہر ہے۔ اس لئے ایک کے بعد دوسرا مذہب منسوخ ہوجاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں خود ہم پیغمبرانِ کرام اور شرائع الٰہیہ کے مختلف ہونے کی حقیقی توجیہ کو محسوس کرتے ہیں۔

جدید علماء کی شہادت اسٹوری آف دی نیشنز (قصص الاقوام) کے باب کالڈیا صفحہ ۱۴۹ میں ہے۔

"مادۂ مذہب جسے دینداری کہتے ہیں گویائی کی قوت کی طرح تمام حیوانات کے مقابلے میں صرف انسان ہی کو عطا ہوا ہے۔ یہ امر یہاں تک مسلم ہے کہ موجودہ سائنس بھی تسلیم کرنے لگی کہ انسان انھیں دو قوتوں (دینداری اور گویائی) کی وجہ سے تمام دیگر مخلوق سے الگ ہے۔"

اسپنسر کہتا ہے

"انسانیت کبھی اس درجے پر نہیں پہنچی جہاں مذہبی جذبہ اس سے دور ہوجائے اس کی صورت بدل جانی ممکن ہے لیکن اصلیت لازوال ہے۔"

غرض مذہب انسانی فطرت کا لازمہ ہے اور کوئی انسان مذہب سے الگ نہیں ہوسکتا۔ کیا انسان فطری چیزوں سے انکار کرسکتا ہے۔ اگر نہیں کرسکتا تو مذہب سے انکار بھی ممکن نہیں۔

منکرینِ مذہب کیسے پیدا ہوئے ٹھیک جس طرح بھوک پیاس ہر جاندار کی فطرت ہے اور انسان کی بھی لیکن اس کے باوجود گاہے امراض کے لاحق ہونے کی وجہ سے بھوک گم ہوجاتی ہے پیاس معلوم نہیں ہوتی۔ یا یوں سمجھئے کہ قوتِ شہوانی ہر جاندار کے لئے فطری ہے جس سے بقائے نسل اور اغراضِ تمدن وابستہ ہیں لیکن خاص خاص انسان اس جوہر سے عاری بھی پائے جاتے ہیں۔

کیا ایسے انسانوں کے وجود کی وجہ سے بھوک پیاس اور قوت شہوانی کے فطری ہونے پر کوئی شبہ کیا جا سکتا ہے ہرگز نہیں بالکل اسی طرح بعض انسانوں کی فطرت کو روگ لگ جاتا ہے وہ ایسی حالت میں مذہب وخدا کا انکار کر بیٹھتے ہیں لیکن ان کے انکار کی وجہ سے مذہب کے فطری ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں اگر ہم ایک ایسی فہرست مرتب کریں جس میں خدا پر ایمان رکھنے والے اور اس کو ماننے والے ایک طرف ہوں اور دوسری طرف منکرین اور نہ ماننے والے ہوں تو بھی منکرین کی تعداد اتنی بھی نہ ہوگی جس قدر آٹے میں نمک۔

غرض آپ فلاسفہ کے گروہ کو لیں یا عوام کو علماء فضلاء کی جماعت کو لیں یا جہلاء کو دنیا کی کثرت خدا کے ماننے والوں ہی کی طرف ہوگی اس موقف پر ہم ایقان سے کہہ سکتے ہیں کہ مذہب فطری چیز ہے اس کے وجود میں انسانی ارادے اور عقل کا دخل نہیں ہے۔ مذہب کا ابھار خود بخود فطرت کی طرف سے عمل میں آیا ہے۔ خدا کا وجود ذہن وعقل کی پیداوار نہیں۔ دلائل وفلسفے کا محتاج نہیں۔ نیچر کی بڑی سے بڑی قوت کے رعب کا اثر نہیں نہ انسانی احتیاجات اور اس کی کمزوریاں مذہب کی تخلیق کا باعث ہوئی ہے بلکہ جذبۂ مذہب فطرتِ انسانی کا ایک لطیف ابھار یا اشارہ ہے۔

انسانی روح اس لطیف اشارے کو پاکر جذبۂ عبادت کا شوق ومیلان انسان میں پیدا کرتی ہے قرآنِ کریم نے انسانی فطرت کے اس لطیف جذبہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

واذ اخذ ربك من بنی آدم من	اور جبکہ تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھ سے
ظهورهم ذریتهم واشهدهم	انکی نسل کو نکالا اور خود ان کو انھیں پر گواہ کیا
علیٰ انفسهم الست بربکم قالو	کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا
بلیٰ شهدنا۔	کہ ہاں ہم گواہ ہیں۔

دوسری جگہ ہے۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیها

جذبۂ فطری اور عقل و مذہب کے تعینات

عقلی اور مذہبی احکام کی پابندیاں فطری اُبھار پر

جب عقل و مذہب کے احکام انسان کے اس فطری ابھار اور نیچرل اقتضار پر پابندیاں عائد کرتے ہیں تو یہیں سے انسانیت کی حد حیوانیت سے الگ ہوتی ہے ورنہ نباتات اور حیوانات کی طرح خودرو انسانی پودے دیگر مخلوقات سے الگ کوئی برتری اور شرافت نہ رکھتے، تمدن و تہذیب کی بنیاد اور اخلاق و کردار کا نام و نشان نہ ملتا۔

جذبۂ ترقی جو انسانیت کی روح رواں ہے اور جو حیوانات سے الگ صرف انسان ہی میں پایا جاتا ہے یکسر معدوم ہو جاتا۔ فطرتِ انسانی کے ہوتے ہوئے شجر علوم و فنون کی جڑ ہی کٹ جاتی نہ کوئی رہبر ہوتا نہ کوئی ہادی نہ استاد ہوتا نہ معلم۔

پس خود فطرت ہی انسان کی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کر لیتی اور انسانیت کا شجرِ طوبیٰ اپنی نشو و نما، بالیدگی پھیلاؤ، جذباتِ رنج و غم، مسرت و خوشی، اعتقادات و اعمال میں قطعاً آزاد ہوتا۔ فطرت آزاد پر پابندیاں یا قیود ہی غیر مہذب سے مہذب کو الگ جاہل سے عالم کو جدا کرتی ہیں اخلاقیات میں اچھے اخلاق اور برے اخلاق کا حقیقی معیار قائم کرتی ہیں۔ کیا تمدن و تہذیب اور اخلاق و معاشرت کی تمام بندشیں یا قیودات غیر فطری اور غیر ضروری ہیں، کیا یہ قیودات انسانیت کی صحیح آزادی کو فنا کرنیوالی ہیں۔ کوئی سلیم العقل انسان ان قیودات کو انسانی فطرت کے لئے مضر اور غیر ضروری قرار نہیں دیکتا بلکہ ان قیودات اور پابندیوں کو عین تہذیب و شائستگی خیال کیا جاتا ہے۔

اگر ذرا غور سے آپ اس مبحث پر غور فرمائیں تو معلوم ہو جائے کہ انسانیت کی برتری اور شرافت کا یہ بلند مینار جس کی روشنی سے کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ جگمگا رہا ہے ان ہی قیودات اور بندشوں کی بنیادوں پر استوار ہے۔ پھر آپ مذہب اور احکام مذہب کی قیودات کو جو در حقیقت انسانی سادہ فطرت کی صحیح رہنمائی کرتی ہیں کیوں انسانی آزادی کے خلاف تصور کرتے ہیں اور مذہب کو آزاد خیال اور ضمیر کیلئے ایک بوجھل زنجیر کسی وجہ سے تصور کئے ہوئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ یہ پابندیاں فطرت کے خلاف اور ضد نہیں ہیں بلکہ

فطرت کے مقاصد کی مفسر اور ان کی تعیین کرتی ہیں عقل اور مذہبی پابندیاں عملی زندگی کو مفید سے مفید تر بناتی ہیں۔

تفصیل سے یوں سمجھئے کہ فطرت کے ابھار اور لطیف اشارے عقل و مذہب کی رہنمائی میں انسان کے لئے مفید اور بہتر ثابت ہوئے ہیں اگر ان کی رہنمائی نہ ہو تو انسانیت سے جو مقصد ہے اس کی تکمیل ناممکن ہو جائے اور مقصدِ فطرت معدوم ہو جائے۔ اس مقام پر پہنچکر ہم اس حقیقت سے آشنا ہو جاتے ہیں کہ عقل و مذہب کی فطری جذبے کے ہوتے ہوئے کیا ضرورت ہے کیا صرف فطری ابھار بدون عقل و مذہب کی رہنمائی کے لئے کافی نہ تھا جس طرح دیگر مخلوقات نباتات و حیوانات میں ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانیت نام ہی ان قیودات کا ہے اور جس چیز نے انسان کو دیگر مخلوقات سے بلند کیا ہے وہ یہ بھی دو چیزیں ہیں جن کو ہم عقل و مذہب کہہ سکتے ہیں۔

بھوک پیاس، خواہش جنسی وغیرہ کے سارے ابھار اور جذبات حیوانات کی طرح انسان میں پائے جاتے ہیں لیکن انسان عقل و مذہب کی رہنمائی میں ان سارے ابھار اور فطری جذبات کو بہتر سے بہتر اور مفید سے مفید تر طریقوں سے پورا کرتا ہے اور یہی طریقے تہذیب و تمدن کی بنیادیں استوار کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح میلانِ عبادت اور خدا کے آگے جھکنے اس کو ماننے کا سادہ جذبہ عقل اور وحی کی رہنمائی میں انسان کو صحیح طریقہ پر گامزن کر دیتا ہے اسکو مافوق الفطرت ہستی کی ذات و صفات اور اس کی عبادت کے متعلق صحیح ایمان و ایقان عطا کرتا ہے۔

غرض مافوق الفطرت ہستی (خدا) کا اعتقاد انسانی فطرت یا روح کا ایک لطیف اشارہ ہے الہامی اور مذہبی پابندیاں جن کو پیغمبرانِ وقت اپنے اپنے زمانے میں ظاہر فرماتے ہیں۔ فطرت کے اس لطیف اشارے کو صحیح راستے پر ڈالتی ہیں اور اس طرح انسان ہدایت و رہنمائی حاصل کرتا ہے آپ پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ

عقل و مذہب کی پابندیاں فطرت کے مقابل اور خلاف و متضاد نہیں ہیں
بلکہ خود فطرت اور مقاصدِ فطرت کی مفسر اور معین و مددگار ہیں۔